۱۴ - دسمبر سنہ ۳۵ء

موسیقی اور روحانیت

علماءِ اسلام متصوفین کے اس نظریہ کو غلط اور ناقابلِ تسلیم خیال کرتے ہیں کہ شعرِ موسیقی کو استعدادِ روحانی کے بیدار کر سکنے سے ایک غیر محسوس سماوی ارتباط ہے اور اس بنا پر اسے نماز و روزہ یا دیگر اعمالِ روحانی کی اہمیت دی جا سکتی ہے، چنانچہ صوفیہ کی ایک کثیر جماعت نے جہاد و تبلیغ کے بجائے شعرِ موسیقی ہی کو اختیار کر لیا کیونکہ اُن کا خیال ہے کہ روحانیت کو بیدار کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی۔

شیخ اکبرؒ نے "فتوحاتِ مکیہ" میں شعر کو ایک مخصوص حضرتِ الٰہیہ کا فیضان ظاہر کر کے اور امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں موسیقی کا روح سے غیر محسوس اور ناقابلِ فہم ارتباط بتا کر اس نظریہ کا سنگِ بنیاد رکھا کہ "شعر و موسیقی روحانیت سے گہرا تعلق رکھتی ہے" اور بعد میں آنے والے صوفیہ نے اس پر ایک عظیم الشان قصر تعمیر کر دیا حالانکہ اسلام نے ہرگز اس کی تعلیم نہیں دی تھی بلکہ اُس نے شعراء کو ایک ایسی جماعت میں شمار کیا تھا جس کا نہ کوئی نظریۂ حیات ہے، نہ کوئی دائرۂ عمل۔ علیٰ ہذا موسیقی کو بھی "مزامیرِ شیطان" سے ہی تعبیر کیا گیا یعنی موسیقی کے نغمے شہوانی جذبات کو بیدار کرنے کی بنا پر مادۂ حیوانیت اور غیر روحانی ریکارڈ کی سوئی تو کہلا سکتے ہیں لیکن حقائقِ روحانیہ کے انکشافات کر سکنے والی استعداد کو موسیقی سے منسوب کرنا درست نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حُسنِ سیم پارہ سے محبت رکھنے والے شعر و موسیقی کے محرکات سے اثر پذیر ہو کر وجد و رقص اور حال و قال کی اُس ہی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جہاں صوفیہ کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر موسیقی کو جذباتِ انسانی کے بجائے تجلیاتِ روحانیہ سے مناسبت ہوتی تو عام حیوانی فطرت کو اُس سے کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی تھی۔ باہمی ارتباط کسی ایسی مشابہت کے توسط سے ہی ہو سکتا ہے جو دونوں کی فطرت کا مشترک جزء ہو۔ کیا یہ ہو سکتا

ہے کہ روحانی اور مادی دونوں قسم کے حقائق سے موسیقی کو ایسی مشاکلت ہو جو دونوں کی باہم دگر متضاد یا متغائر حقیقت کا ایک جز ہوسکے؟ اگر ایسا ہے تو پھر مادیت اور حیوانیت بلکہ سادہ اور سلیس تعبیر میں شہوت پرستی کو بھی خدا پرستی سے ایک خاص مناسبت ہوسکتی ہے اور اگر نہیں ہوسکتی تو مجھے بتایا جائے کہ شہوت کے محرکات کو روحانیت کے مؤثرات میں کیونکر شامل کیا جاسکتا ہے۔ اگر صوفیہ کا نظریہ درست ہوتا تو موسیقی ہر مادی تمدن کے ارتقاء کا ایک جزو نہ ہوتی۔ کیا کوئی ایسا مادی تمدن گذرا ہے جس نے موسیقی کے تار پر رقص کرنے کو زیادہ سے زیادہ اہمیت نہ دی ہو؟ کیا مغربی تمدن کی موسیقی سے لبریز فضا میں روحانیت کی ایک جھلک بھی پیدا ہوسکی؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تمدن کا سیلاب بڑھتے بڑھتے جب روم، ایران اور ہندوستان کی مدنیت سے ٹکرا کر ایک حد تک اُس کے اثرات اپنے رگ و پے میں جذب کرنے لگا تو غیر اسلامی مدنیت کی دیگر خصوصیات کے ساتھ اُس نے موسیقی کی ایک اہم خصوصیت کو بھی جذب کرلیا۔ صوفیہ جو عرب کی ریگ و سنگ والی دنیا سے دور، تر اور عجم کی سرسبز و پُر نغمہ وادیوں، جذبات میں ارتعاش پیدا کرنے والے آبشاروں اور باد سموم کی جگہ نسیم صبحی کے نشہ آور جھونکوں میں گم ہوتے جارہے تھے اُس مدنیت کی گود میں گدازِ حیات کی لذت حاصل کرنے لگے جو قدرت نے اُن کو سپرد کی تھی ترنم خیز فضا میں موسیقی کے ترنم سے محروم رہنا گناہ محسوس ہوا اور اُنہوں نے بجائے اپنے ربطِ حیات کے گونا گوناگوں نغمات سے کائنات کو بھر دینے کے اپنی بے کیف روح کو کائناتی نغمات سے تازہ کرنے کا سبق حاصل کرلیا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے بعض صوفیہ کا جن کے دل و دماغ میں بچپن سے ہی موسیقی اور روحانیت کے غیر فانی ربط و تعلق کے نظریات جذب تھے، اپنے پاکیزہ جذبات موسیقی سے اثر پذیر ہوتے ہوئے دیکھ کر یقین قوی تر ہوگیا کہ ضرور "بزرگوں" نے موسیقی کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ اُس کا فلسفہ ہی دوسرا تھا۔ انسانی جذبات جب کسی محرک سے متاثر

ہوکر اُبھرتے، پھیلتے اور نکھرتے ہیں تو شہوانیت کا ساحل نہ پاکر روحانیت کی لہروں سے ٹکرانے اور اُن کو بھی بیدار کر دیتے ہیں لیکن یہ بیداری موسیقی کے بالذات روحانیت سے قریب تر ہونے کی دلیل میں نہیں پیش کی جا سکتی۔ انسان کی شہوانی قوتوں کے لیے اگر کوئی مادی مطمحِ نظر نہ رہے تو ہمیشہ وہ اپنے آپ کو روحانیت کے سپرد کر دینا چاہتی ہیں آپ کتنے ہی دہریہ کیوں نہ ہوں اگر ہر مادی طاقت آپ کی مدد کرنے سے انکار کر دے تو آپ کو یقیناً خدا یاد آئیگا۔ اگر آپ اپنے شہوانی جذبہ کو کسی طرح پورا نہ کر سکتے ہوں تو یقیناً نماز پڑھنے کو طبیعت چاہنے لگیگی۔ تو کیا اس کے معنی یہ ہوگئے کہ شہوانیت بھی روحانیت کا زینہ ہے؟ اس میں شک نہیں کہ وہ تمام قدیم مذاہب جو ارتقاءِ روحانی کی تکمیل سے کسی نہ کسی حد تک محروم تھے اور جن کے علم میں وہ روحانی وسائل اور حقیقی ذرائع نہ تھے جو بلاواسطہ خدا تک پہنچا سکیں۔ اُنہوں نے موسیقی کی اجازت دیدی اور اس حد تک اُن کی مجبوریوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام جو مکمل قانون کی روشنی میں دنیا کے لیے زندگی کی شاہراہ تیار کر رہا ہے ایسے تاریک، پُرخطر اور غیر یقینی راستہ کے انتخاب کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ جس کو موسیقی سے روحانیت حاصل کر لینا کہتے ہیں، موسیقی کے ترنم سے اُس بے کیف روح کو غذا حاصل کرنے کی ضرورت ہو سکتی ہے جو روحانی لذت سے محروم ہو لیکن جس کی روح "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے نغمے سے ہر لمحہ مست و بیخود ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسے کیونکر موسیقی کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے۔ محتاط صوفیہ کا قول ہے کہ ارتقائی مراحل سے گذر جانے والے صوفی ہی کو موسیقی سے لذت اندوز ہونا چاہیے خاص حالات میں کسی چیز کا صرف جواز اُس کے محاسن پر کوئی روشنی نہیں ڈالتا۔ موسیقی اگر کسی پاکباز انسان کے لیے جائز ہو تو کیا بہتر بھی ہو سکتی ہے؟ جس شخص کو مذہب نے بہتر حقائق سے روشناس کر دیا ہو اُس کا صرف جائز امور پر ہی توجہ مبذول رکھنا نہ معلوم کس حد تک بدقسمت ہونے کا ثبوت کہلایا جائیگا۔ مادی نغمات سے روح میں وجد و بیخودی جذب کرنے کی سعی روحانیت کے بلند طبقات

سے کوئی نسبت نہیں رکھتی روحانیت تو اپنے ابدی نغموں سے کائنات کو بھر دینا چاہتی ہے نہ کہ خود اُس کے سایہ میں طمانیت وسکون کی تلاش کرنا۔

یہاں اُس ہندو قوم کے ایک فلاسفر کا نظریہ نقل کردینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس کے مذہب کا دار و مدار ہی زیادہ تر موسیقی پر ہے۔ اربندو گھوش نے حال ہی میں ایک مضمون "فنونِ لطیفہ اور روحانیت" کے عنوان سے لکھا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "فن شاعری اور موسیقی کو روحانیت (یوگ) سے منسوب نہیں کیا جا سکتا، روحانیت سے ان کا تعلق اسی قدر ہے جس قدر کہ فلسفہ یا سائنس کا، یعنی ان میں سے کسی کو بھی بذات خود اُس کے دائرہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اس امر میں جدید ذہنیت کی ایک عجیب صلاحیت دیکھنے میں آتی ہے یعنی روح کو ذہن سے امتیاز کرنے کی نااہلیت اور ذہنی اخلاقی اور جمالیاتی مطمح پرستیوں کو روحانیت سے منسوب کرنا اور اُن کے کمتر درجات کو روحانی قدر و قیمت دینا حالانکہ یہ محض ایک صداقت ہوتی ہے نہ کہ الہام"

یہ اُس قوم کے فلاسفر کا قول ہے جس کے ہاں عبادت و موسیقی مترادفات میں شامل ہیں، جہاں "توجہ الی اللہ" قائم کرنے اور غیر اللہ کا تصور دور کرنے کے لیے سنکھ کی گونج گھنٹی کا شور اور بربط وعود کے نغموں کی اُتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ اسلام میں حضور قلب کے لیے اُن روحانی نغموں کی جن کو ایمان کا نور اور اُس کی برقی شعاعیں چھیڑتی ہیں، خارجی ماحول کا زائیدہ حضورِ قلب وہ پائندہ تابناکی اور احساسات کی لطیف وشیریں بیداری ہرگز پیدا نہیں کر سکتا جو روحانی قوتوں کے زیر اثر نصیب ہو سکتی تھی تخییل کی لطافت اور عمل کے ہنگامہ کو کسی خارجی حقیقت کے ذریعہ پائندہ و تابناک بنانا ہرگز اُس عملی اور ذہنی ارتقاء کا باعث نہیں ہو سکتا جو خود فطرتِ انسانی کی طبعی استعداد کی بیداری سے ممکن ہے۔ ماحول کا زائیدہ ارتقاء عارضی اور مضمحل ہوگا اور روح کی زائیدہ علویت ابدی یقیناً ایسا ماحول پیدا کر دینا جو توجہ کو ایک ہی طرف کر دے ایک بہتر چیز ہے لیکن اُس کو خارجی

ذرائع کا تابع کرکے اتنی اہمیت دیدینا کہ بغیر اُن کے مذہبی عبادت اجتماعی مراکز میں نہ کی جاسکے یا بغیر اُن کو تسلیم کیے ہوئے قانونِ الٰہی مکمل نہ ہوسکتا ہو حقائق کی نسبت وسائل پر زیادہ زور صرف کر دینے کے ہم معنی ہوگا اور یہی وہ چیز اور یہی وہ نکتہ تھا جس پر اسلام نے سب سے زیادہ زور دیا وہ خدا تک پہنچنے کے لیے کسی وسیلہ کو ایسی اہمیت دینا گوارا نہیں کرتا جو عام انسانی ذہنیت کو وسیلہ اور حقیقت میں کوئی فرق نہ ہونے یا بہت ہی خفیف فرق ہونے کا مغالطہ دے سکے۔

کفارِ عرب اصنام کو یقیناً خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ جیسا کہ خود قرآن کہتا ہے خدا تک پہنچنے کا ذریعہ لیکن چونکہ اُس راستہ نے منزل کی جگہ حاصل کرلی تھی اس لیے اُس کو شرک قرار دیا گیا۔ رہبانیت مرضیاتِ الٰہی حاصل کرنے کے نقطۂ نظر سے کوئی جرم نہیں ہوسکتی لیکن چونکہ اُس سے کائناتِ انسانی کی عملی قوتیں مضمحل اور جہاد و تبلیغ کی راہیں مسدود ہوتی جارہی تھیں اس لیے اسلام نے "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ" کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ آج ہمارے صوفیہ نے بھی رہبانیت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے قوالی، سماع اور وجد و رقص کو پاکیزگی، معرفتِ الٰہی اور اعمالِ حسنہ کا وہ درجہ سپرد کردیا ہے جو نماز، روزہ کو بھی بمشکل ہی دیا جاسکیگا۔ علی العموم دیکھا جاتا ہے کہ نماز کے اوقات تک کی پرواہ نہیں کی جاتی مزامیر کے زیروبم پر رقص جاری رہتا ہے اور نماز باجماعت کا وقت گذر جاتا ہے۔ بلکہ صوفیہ کا ایک بڑا طبقہ نماز، روزہ سے اتنی روحانیت جذب کرسکنے کا قائل ہی نہیں جتنی کہ اُس کے نزدیک محفلِ سماع سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ اسلام نے کائنات میں عملی قوتوں کے مظاہر پیش کرنے کی دعوت دی تھی۔ جہاد کو جسم کی تبلیغ قرار دیا تھا اور تبلیغ کو روح کا جہاد۔ مگر صوفیہ ایک بے عمل، مضمحل اعصاب اور ماؤف ذہنیت رکھنے والے عاشق کی طرح ایثار و قربانی اور دیگر مظاہرِ محبت سے حسن کے دل میں جگہ حاصل کرنے کی بجائے تڑپنے، لوٹنے اور مست و بیخود رہنے ہی کو محبت کا اصل مظاہرہ سمجھنے لگے حالانکہ شعر اور موسیقی کی مرکب فضا میں حال لے لینا

محبت کا اُتنا بہتر مظاہرہ نہیں کہا جا سکتا جتنا کہ کائنات کی دشوار زندگی کو سہل تر بنا سکنے کے لیے ایک مژہ کا کشاد و بند۔ اس راز کو اسلام نے پالیا اور اسی لیے اُس نے مسلمانوں سے ہمیشہ ٹھوس خدمات کا مطالبہ کیا۔ وہ تلوار کے سایہ میں رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنا اور دکھانا پسند کرتا ہے اگر اُس کی غرض "اعلاءِ کلمۃ الحق" ہو لیکن ہارمونیم پر ایک حسین مغنیہ کے آتشیں نغموں کو خواہ اُس کا نتیجہ درجاتِ معرفت طے کرنا ہی بتایا جائے، ٹھوکر لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔ محبت کی ایک آہ سے زخم کی ایک کراہ زیادہ سخت ہوتی ہے"۔ یہ نظریہ اُن صوفیائے کرام کو دیکھ کر قائم کیا گیا ہے جو اپنی کسی سانس کو خدا کی یاد سے خالی نہیں بتاتے لیکن اُس کی راہ میں خون کا ایک قطرہ بھی گرانے اور قید خانہ کی ایک زنجیرِ محبت بھی پہننے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ محبت یقیناً ایک بہتر جذبہ ہے لیکن وہ ہی جس کو بیدار کرنے کے لیے نغمہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ وہ خود عمل کی خفتہ قوتوں کو بیدار کر سکے جس محبت کو حُسن چٹکیاں لے لے کر جگانے پر مجبور ہو وہ محبت ہی کیا ہوئی۔ محبت تو وہ ہوتی ہے جو حُسن کے نگاہ اُٹھاتے ہی تڑپ کر جاگ اُٹھے جو اس طرح نہیں جاگ سکتا اُسے ہمیشہ کے لیے سو جانا چاہیے جو محبت کہ خالِ و خد اور آب و رنگ پر ہی فریفتہ ہو اور اُس کے معنوی محاسن سے جذبِ انبساط کر سکنے کے ناقابل وہ محبت نہیں فریب ہے اور مغالطہ!

بعض صوفیہ وظائفِ روحانی میں موسیقی کے پہلو بہ پہلو "تصورِ شیخ" کے بھی قائل ہیں، حالانکہ یہ ایک مسلمان کی ذہنی بت پرستی ہوگی۔ اگر عملی بت پرستی کی اجازت نہیں ہے تو ذہنی بت پرستی کی بھی مخالفت ہونی چاہیے۔ "تصورِ شیخ" بت پرستی کا پہلا قدم ہے۔ جب ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے ایک ذہنی بت پرستی سے چارہ نہیں تو اُن عام انسانی بھیڑوں کے لیے جن کے ذہنی قوئ تصورات کی اہمیت محسوس کرنے سے قاصر ہیں کیوں ایک مجسم بت سامنے رکھنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ ذہنی تصورات سے ایک علمی ذوق رکھنے والا ہی لذت اندوز ہو سکتا ہے لیکن ایک

جاہل کی بہرہ اندوزی کے لیے مجسم تصور کی ضرورت ہوگی میں سمجھتا ہوں کہ بُت پرستی کی تعمیر "تصور شیخ" ہی کے سنگ بنیاد پر قائم کی گئی ہوگی۔ اصنام بھی حقیقت میں وہ ہی شیوخِ روحانی یا اجرام فلکی ہیں جن میں لوگوں نے مخفی قوتوں کو دیکھا تھا۔ اگر شیوخ روحانی کا تخیلی بُت تراشا جا سکتا ہے تو اُس ہی نمونہ کا سنگین بُت عبادت گاہ میں رکھ دینا بھی کوئی بدعت نہ ہوگی۔ وسائط کو جب کبھی حقائق کی جگہ دی جائیگی نتیجہ ہمیشہ وہ ہی ہوگا جو ہوتا رہا ہے۔ ایسی حالت میں صداقت کی لطافتیں یکسر گم ہوکر انسانی زندگی کو ایسے راستہ پر ڈال دیتی ہیں جو دوزخ کی طرف جا رہا ہو۔ لہذا ذہن، وجدان اور روح کے درمیان فرق نہ کرسکنے والوں کی پیروی کرتے ہوئے کبھی جمالیاتی حقائق کو روحانی حقائق کے نام سے یاد نہیں کرنا چاہیے۔ شعر و موسیقی جمالیاتی وجدان کو ضرور بیدار کرتے ہیں۔ مگر اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہو سکتے کہ روحانیت اور جمالیاتی احساس کو محض لطیف حقائق میں سے ہونے کی بنا پر یکساں حیثیت سپرد کی جاسکے۔ شعر و موسیقی سے جذبات انسانی میں ضرور ارتعاش پیدا ہوکر طوفان سا اُٹھنے لگتا ہے۔ مگر اس کو روحانیت کا ساحل نہیں فرض کرلینا چاہیے ورنہ اُن اعمال وحرکات کی کشتی جو قانون الٰہی میں ترمیم واضافہ کا مطالبہ کرتے ہوں آپ کو ایک ایسے بھنور میں لے جاکر غرق کردیگی جہاں سے دوبارہ نکل آنے کا تصور کرنا بھی بے وقوفی ہوگا۔